قرآن مجید اور اس کی حفاظت

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(۴)

(از جناب مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

قرآنی فصاحت وبلاغت کا اثر تاریخ بلا اختلاف شاہد ہے کہ جس وقت قرآن کریم نازل ہوا اس وقت عرب کو فصاحت وبلاغت کا نہ صرف ذوق بلکہ جنون تھا اسی بنا پر دوسری اقوام کو وہ عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے، گویا مملکت نطق وبیان کے تنہا وہی ایک بادشاہ تھے جن کا کوئی شریک وسہیم نہ تھا۔ عکاظ کے بازار ان کی اسی زور آزمائی کے لئے گرم رہا کرتے۔ ہر قبیلہ کا ایک ایک خطیب جدا جدا شاعر علیحدہ علیحدہ رجز خواں ہوتا جو کہ جنگ وصلح میں اپنے زبان کے جوہر دکھلایا کرتا ؎

أَوْ كُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

نیزہ بازی اور شمشیر زنی کا مقابلہ تو آپ نے بہت جگہ تاریخ میں دیکھا ہوگا مگر عرب میں خطیب کا خطیب سے اور ناظم کا ناظم سے بھی مقابلہ ہوا کرتا تھا حتی کہ لسان کی فتح وشکست ان کے نزدیک سنان کی فتح وشکست سے کم نہ سمجھی جاتی تھی۔

ایسے دور میں جب ایک محیر العقول کلام فصاحت وبلاغت سے لبریز ان کی نظم ونثر سے کہیں زیادہ رشیق وشیریں نازل ہو تو آپ سمجھئے کہ گوہر گوہر شناس کے سامنے ہوگا۔ ہزار عداوت سہی مگر پھر بھی سوچئے کہ ان کی اصل فطرت نے کتنا کچھ اسے جذب نہ کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ عمرو بن سلمہ کے اس صحیح واقعہ سے ہو سکتا ہے

جو کہتا ہے کہ ہم ایک پانی پر مقیم تھے جہاں سے لوگوں کے قافلے گذرا کرتے تھے ان سے دریافت کیا جاتا کہ اس شخص کا (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا) کیا عقیدہ ہے۔ کیا کہتا ہے؟ اس کے جواب میں اہل قافلہ کہتے کہ اس کا یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر وحی نازل فرماتا ہے اور فلاں فلاں آیت اس پر نازل ہوئی ہے۔ عمرو بن سلمۃ کہتے ہیں کہ جب میں ان آیات کو سنتا تو وہ آیات میرے سینہ میں گھر کر جاتیں اور مجھے یاد ہو جاتیں، حتیٰ کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور دنیا پر حق روشن ہو گیا تو ہر قوم اسلام لانے کیلئے دوڑی اور میرے والد میری قوم سے پہلے جا پہنچے اور مشرف باسلام ہو گئے واپس آکر انھوں نے فرمایا کہ بخدا میں ایک سچے رسول کے پاس سے آرہا ہوں جس نے نماز کا فلاں فلاں وقت پر ادا کرنے کا امر فرمایا ہے اور یہ کہا ہے کہ جب نماز کا وقت آجائے تو اذان دینا پھر امامت اس کے سپرد کرنا جس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہو۔ چونکہ اس عرصہ میں سنا سنایا بہت سا قرآن مجھے یاد تھا اس لئے عہدۂ امامت مجھے ہی ملا حالانکہ میری عمر ابھی چھ سات برس ہی کی تھی [1]

اس جگہ یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم کی آیات نہ اہل قافلہ اس نیت سے سنتے تھے کہ ان کو خود یاد کر لیں اور نہ عمرو بن سلمۃ کے سامنے اس لئے سنائی جاتی تھیں کہ انھیں یاد کرائی جائیں بلکہ یہ عرب کا خداداد حافظہ اور فصاحت و بلاغت کی طرف فطری انجذاب تھا جو اس سرسری بات چیت میں ہی قرآن کریم کے ایک حصہ کا انھیں حامل بنا دیتا تھا۔

---

[1] اس جگہ صبی کی امامت کا مسئلہ سامنے آتا ہے مگر اس واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ امامت کے لئے اقرأ ہونا اقرب ہے اب رہ گئی یہ بات کہ اگر حسب الاتفاق اقرأ ایک بچہ ہو تو کیا اسی کو امام بنا دینا چاہئے یا امامت کے لئے بالغ ہونا بھی شرط ہے تو ان تفاصیل کے لئے دوسری حدیثوں کو بھی دیکھنا پڑیگا اور صرف اس جماعت کے فعل پر اس کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا جن کو حال میں ابھی اسلام نصیب ہوا ہے اور اسلام کے فروع کی پوری اطلاع ان کو نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرا مسئلہ کہ اقرأ مقدم ہے یا اعلم یہ سب وہ فروعی مسائل ہیں جن کا اس جگہ ہم کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے۔ کتب حدیث و فقہ میں یہ مباحث اپنی اپنی فقہ کے مطابق مفصل موجود ہیں مراجعت کی جاوے۔

اس وقت ہم نے یہ ایک بچہ کا بیان پیش کیا ہے جو اس کے زمانۂ جاہلیت کے متعلق ہے جبکہ وہ قرآن کی عظمت کا قائل بھی نہ تھا اور یہ تو کیا جانتا تھا کہ یہ قرآن کریم کبھی چلکر اُسے منصب امامت سے سرفراز کردیگا مگر اتنا وہ بھی کہتا ہے کہ وحی الٰہی کی مقدس آیات جب اس کے کان میں پڑتیں تو فوراً اس کے لوحِ قلب پر منقش ہوجاتی تھیں اب آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ ایک طرف قرآنِ کریم کی فطری جاذبیت کا یہ عالم ہو، دوسری طرف کتابت وحفظ کے دونوں بازو اس کے مضبوط ہوں تو اس طائرِ قدس نے حفاظت کی کس وسعت تک پرواز کی ہوگی۔

قدرت کا زبردست اور قاہرانہ سلسلۂ تکوین میں حفظ قرآن کے جو اسباب مہیا کررہا تھا وہ مشیتِ الٰہیہ کا ایک کھلا ہوا نشان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج قرآن کریم کو اپنے اس ماحول سے نکلکر عجم کے ان گوشوں تک پہنچ چکا ہے جن میں نہ اس کی حلاوت کا ذوق باقی ہے نہ اس کی بلاغت کا احساس مگر پھر بھی صدف صادق بن کران کے سینے اس گوہر نایاب کی حفاظت کا مخزن ہیں۔ کیا حیرت کا مقام نہیں کہ وہ عجم جو کلام الٰہی کے رموز و اسرار سے تو کیا اس کے موٹے معانی سے بھی بے بہرہ ہیں مکتبوں میں ان کے بچوں کی صدائے حفظ اب بھی آسمانوں کو سر پر اٹھائے ہوئے ہے۔ حق تو یہ ہے کہ تکوین کی یہ تسخیر کردہ زبانیں جب خدائے پاک کے مقدس کلام کے حفظ میں مشغول ہوتی ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ بات وہی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

اسی لئے ہم نے ابتدا مضمون میں کہا تھا کہ ہم کتنا ہی طول وعرض میں چلیں مگر جو بات آخر کار ہم کہہ سکیں گے وہ یہی ہوگی کہ چونکہ حفظ قرآن کا متکفل خدائے قدوس تھا اس لئے قرآن محفوظ رہا اور اسی لئے صحیح فطرت اس کے تحفظ کے لئے ہمیشہ بے چین رہی مسلمان نہیں۔ بلکہ ایک کافر۔ ایک نوجوان نہیں بلکہ ایک بچہ اس پر مجبور ہوگیا کہ چند آیات قرآنی وہ بھی یاد کرلے اور اس طرح آتی دنیا کے سامنے اس کا ایک گواہ رہے کہ یہ قرآن اس خدائے قدوس کا کلام ہے جس کی حفاظت کا وہ خود ذمہ دار ہوچکا ہے۔

قرآن مجید کا خصوصی امتیاز حفظ صدر

اسباب کی اس مساعدت اور ماحول کی اس موافقت کے بعد ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ گو قرآن مجید ہر دور میں مکتوب رہا ہے جس کی ہمارے پاس داخلی وخارجی کافی شہادات موجود ہیں مگر اس کا خصوصی امتیاز حفظِ صدر ہی تھا۔ سورۂ عنکبوت میں ارشاد باری ہے۔

وما کنت تتلوا من کتاب ولا تخطہ	پہلے تو آپ کبھی نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے
بیمینك اذا لارتاب المبطلون ۔	دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرستوں
بل ھو ایات بیّنات فی صدور	کو کچھ شک کا موقع ملجاتا بلکہ یہ تو آیات بینات ہیں
الذین اوتوا العلم۔	سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تائید میں صحیح مسلم سے عیاض بن حماد کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے ومنزل علیك کتابا لا یغسلہ الماء تقرأہ نائما ویقظانا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے رسول میں تم پر ایک ایسی کتاب اتارونگا جس کو پانی نہ دھو سکیگا۔ اور تم اسے سوتے اور جاگتے ہر حال میں پڑھوگے۔ کیونکہ وہ سینوں میں محفوظ ہوگا اسی لئے امت محمدیہ کی صفت میں کتب سابقہ میں یہ جملہ موجود ہے۔

اناجیلھم فی صدورھم [1]	ان کی انجیلیں ان کے سینوں میں ہوں گی۔

فتح البیان میں زیر تفسیر مذکورہ اتنی تشریح اور ہے۔

وھذا من خصائص القرآن بخلاف	بزبان تلاوت کرنا قرآن شریف ہی کے خصائص
سائر الکتب فانھا لم تکن معجزات	میں سے ہے اور کتب سماویہ نہ معجز تھیں نہ اُن
ولا کانت تقرأ الا من المصاحف	کی تلاوت زبانی کی جاتی تھی بلکہ مصاحف دیکھکر
ولذا جاء فی وصف ھذہ الامۃ	تلاوت ہوتی تھی اسی لئے اس امت کی صفت

---

[1] دیکھو تفسیر ابن کثیر علی ہامش فتح البیان ج ۷، ص ۳۰۰۔

صدورهم اناجیلهم ولذلك لا	میں صدورهم اناجیلهم آیا ہے اور اسی لئے
یقدرون علی تحریفه ولا تغییره۔	قرآن کریم کے تحریف وتغییر پر کسی کو قدرت نہیں،

تفسیر نیشاپوری میں ہے

وسائر الکتب السماویة فانها کانت	تمام آسمانی کتابیں صرف کاغذ کے صفحات سے پڑھی
تقرأ من القراطیس ولهذا	جاتی ہیں۔ اسی بنا پر اس امت (محمدیہ) کی صفت
جاء صفة هذه الامة صدورهم	یہ ہے کہ ان کے سینے میں ان کی انجیلیں ہیں۔
اناجیلهم۔	

ان ہر سہ تفاسیر کے بیان سے ظاہر ہے کہ دیگر کتب سماویہ کے مقابلہ میں حفظ صدر قرآن کا ہی مابہ الامتیاز ہے۔ تفسیر فتح البیان کی تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ اناجیل کی طرح اگر قرآن بھی صرف صحف اور قراطیس میں مکتوب رہتا تو وہ بھی دیگر کتب کی طرح محرف ومبدل ہوجاتا لیکن قدرت نے اس کو ایسے الواح پر کندہ کیا تھا جسے۔ آگ جلا سکے نہ پانی بہا سکے اور نہ کسی انسانی طاقت کی اس جگہ تک دسترس ہو[1]

جہاں تک میرا حفظ مساعدت کرتا ہے شفا میں اس پر بحث کی ہے کہ قرآنی اعجاز یہ ہے کہ عرب اس کا مثل لانے پر قادر ہی نہ ہوں یا یہ کہ قادر تو ہوں مگر معارضہ کے وقت عاجز رہ جائیں اور مقابلہ نہ کرسکیں ہر دو نوع میں اعجاز کے معنی ظاہر ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ پہلی صورت اعجاز میں زیادہ اظہر ہے۔ اسی طرح حفظ قرآنی کی بھی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن کی حفاظت ایسے طور پر کی جائے کہ دنیا اگر چاہے

---

[1] حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب مرحوم اپنی کتاب اظہار الحق ص۱۸۸ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ شہر سہارنپور کے ایک مدرسہ میں ایک انگریز آیا اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے بچے حفظ قرآن میں مشغول ہیں انگریز نے مدرس سے دریافت کیا کہ یہ بچے کیا کتاب پڑھتے ہیں مدرس نے جواب دیا قرآن مجید۔ انگریز نے کہا کہ کیا ان میں سے کسی نے پورا قرآن یاد کرلیا ہے۔ مدرس نے کہا جی ہاں اور چند بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ انگریز نے مستبعد سمجھکر ایک بچہ کا متفرق طور پر امتحان لیا جب اسے یقین ہوگیا کہ فی الواقع اسے قرآن یاد ہے تو بول اٹھا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ کسی کتاب کا تواتر مثل قرآن مجید کے ثابت نہیں ہوسکتا۔ کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی صحیح نقل ایک بچہ کے سینہ سے لی جاسکتی ہو۔

تو اس کی تحریف کر دے۔ مگر ان کو اس پر قدرت نہ دی جائے۔ دوم یہ کہ حفاظت کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اس کے بعد تحریف ممکن ہی نہ رہے۔ میرے نزدیک قرآن کریم دونوں طرح محفوظ ہے یعنی مکتوب بھی ہے اور محفوظ بالصدور بھی۔

(۲) دوسری دلیل جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدرت نے جس حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا وہ حفظِ صدر ہے۔ سورۃ القیامہ کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔ ان علینا جمعہ وقرآنہ۔ صحیح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوف نسیان کی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے اس پر وحی نے تسلی دی اور کہا کہ اے رسول اتنی مشقت نہ اٹھایئے اس قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کرنا تو ہمارا کام ہے۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کے چھٹے رکوع میں ہے۔

ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ۔ — وحی کے تمام ہونے سے پہلے آپ قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے۔

سورۂ سبح اسم میں اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

سنقرئک فلا تنسی — ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ پھر آپ نہ بھولیں گے۔

ان ہر سہ آیات میں حفظ صدر ہی کو اہمیت دی گئی ہے اس لئے بظاہر وانا لہ لحافظون۔ میں جس حفاظت کا وعدہ ہے وہ بھی یہی حفاظت ہے۔

قرآن کریم کا تو ذکر ہی کیا ہے یہ امت وہ امت ہے جس کے سینوں میں قرنوں حدیثِ رسول محفوظ رہی ہے گو لفظی حفاظت اس درجہ نہ سہی جیسا کہ قرآن کریم کی۔ احادیث کے متعلق یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بالفاظہا محفوظ ہیں کیونکہ صحیح قول کے مطابق سلف میں روایت بالمعنی نہ صرف جائز بلکہ شائع ہو چکی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کے شروط و قیود بھی اس درجہ سخت ہیں کہ وہ روایت بالمعنی بھی روایت باللفظ کے قریب قریب ہی ہو جاتی ہے۔

قرآن سے الفاظ مراد ہیں یا معانی

یہ بات کسی وقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ اسلام میں قرآن صرف ان الفاظ کو کہا گیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ حرکات وسکنات یا ایک لفظ مترادف کی دوسرے لفظ مترادف سے ترمیم ہرگز اس میں متحمل نہیں۔ زبان کی ترمیم کا تو ذکر ہی کیا ہے حرکات وسکنات کی ترمیم گو بظاہر ایک ادنیٰ تغیر معلوم ہوتا ہے مگر یہ بھی اگر عمداً کیا جائے تو کفر اور سہواً ہو تو بھی بعض حالات میں مفسد صلوٰۃ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی کلام کا محفوظ رہنا اس کے الفاظ ہی کے محفوظ رہنے سے عبارت ہوتا ہی جتنا اس میں نقصان ہوگا اسی قدر اس کی حفاظت میں نقصان ہوگا۔ اس لئے جہاں حفظ صدر اس کا طغرائے امتیاز ہے اسی کے ساتھ یہ بھی اسی کا امتیازی نشان ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے کلمات بلکہ ایک ایک شوشہ کے ساتھ بلا کسی ادنیٰ تغیر کے محفوظ ہے۔ اسی لئے اصولیین نے قرآنِ کریم کی تعریف میں نظم[1] قرآنی کو بھی مثل معنی کے ایک رکن قرار دیا ہے جس کا یہی مقصد ہے کہ صرف معنی پر قرآن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

یہ امر اہل فہم پر مخفی نہیں ہے کہ جس قدر دائرۂ کلام بلند ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کے الفاظ کی اہمیت بھی بڑھتی جاتی ہے اسی لئے حیوانات کے کلام کا وزن نہیں ہوتا۔ اس پر صرف اس حد تک توجہ کی جاتی ہے جہاں تک اس کا اصل مقصد دریافت ہو سکے حسن وقبح کا اس جگہ باب ہی نہیں اس سے بالاتر عوام الناس کا کلام ہے جس پر معانی کے ساتھ الفاظ پر توجہ تو ضرور کی جاتی ہے مگر زیادہ نہیں اس لئے ان کے کلام کی بے ربطی۔ لہجہ کی خشونت۔ الفاظ کی ناموزونیت۔ سب بحث سے ساقط ہوتی ہے اس سے بڑھکر متوسط طبقہ کا کلام ہے۔ ان کے کلام پر غور شروع ہو جاتا ہے الفاظ پر گرفت ہونے لگتی ہے الفاظ کا تنافر معانی کی ۔

---

[1] قراءۃ بالفارسیۃ کا مسئلہ ایک جدا مسئلہ ہے اس کی تشریح کے لئے کشف الاسرار اور روح المعانی ملاحظہ ہو۔ اس مسئلہ کی جو عام تقریریں ہیں وہ مغز سے خالی ہیں اس وقت چونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں ہے اس لئے سردست اس بحث کو ان دو کتابوں پر حوالہ کر دیا گیا ہے۔ رہی انزل القرآن علی سبعۃ احرف والی حدیث تو وہ البتہ نہایت مہم ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم اپنے اس مضمون میں اس پر کافی روشنی ڈالیں گے۔

تعقید طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے غرض جسقدر کلام بلند ہوتا جائیگا اس کے آثار بدلتے جائیں گے اور معانی کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ بھی مقصود بالذات ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ اعلیٰ طبقہ کے کلام کا تحفظ بسا اوقات اس کے لب ولہجہ کے ساتھ کیا جانے لگتا ہے جیسا کہ شعراء کا ترنم۔ اس سے اور آگے ملوک و سلاطین کا طبقہ ہے جن کے فرامین کا تحفظ بھی مثل الفاظ کے لازم سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ شاہی الفاظ اگر شاہانہ معانی پر دال ہیں تو شاہی نقوش شاہانہ الفاظ پر دلالت کرتے ہیں اس لئے عظمت میں سب مشترک ہو جاتے ہیں گو دالیت و مدلولیت کے درجات کا تفاوت ہو۔

جب یہ تفاوت آپ نے مخلوق کے کلام میں مشاہدہ فرمایا تو اب خالق کی عظمت اور اس کے کلام کی رفعت کا جو اقتضاء ہونا چاہئے اس کا اندازہ خود فرمالیجئے یہاں پہنچکر الفاظ و معانی کا ایسا ارتباط ظاہر ہوتا ہے جہاں الفاظ تمامہا معانی کا قالب اختیار کر لیتے ہیں اور معانی تمامہا الفاظ کے ہمرنگ ہو جاتے ہیں اول سے آخر تک سب مغز ہی مغز ہو جاتا ہے الفاظ بھی مقصود اور معانی بھی مقصود۔ اسی لئے جہاں معانی مبدأ احکام ہوتے ہیں اس کے ساتھ ہی الفاظ بھی بہت سے احکام کا منشا ہو جاتے ہیں۔ مشرکین عرب کو مقابلہ کے لئے دعوت الفاظ ہی سے متعلق تھی۔ جنبی و حائض کے لئے مس مصحف کا مسئلہ ان ہی الفاظ سے متعلق ہے قرارۃ فی الصلوٰۃ کا مسئلہ الفاظ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ یہ کلام اس کا ہے جس کی شان میں وارد ہے ھوالاول والاٰخر والظاھر والباطن تو پھر الفاظ جو ظاہر ہے اور معانی جو باطن ہیں ربط اتحاد کیوں نہ پیدا کر لیں۔ میں کیا لکھ رہا تھا اور کیا لکھنے لگا۔ میری غرض تو صرف یہ تھی کہ اگر آپ کسی رفیع القدر کلام کی حفاظت کا مطلب سمجھ لیں تو پھر وانا لہ لحافظون کی صحیح تفسیر آپ کی آنکھوں کے سامنے آجائے اور آپ حفاظت کا صرف وہ مطلب نہ سمجھیں جو نصاریٰ یا یہود نے انجیل کی حفاظت کا سمجھا۔ انجیل کو محفوظ کہا جاتا ہے حالانکہ اس کی زبان بھی سوائے انجیل متی کے عبرانی نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کی زبان عبرانی تھی

اس لئے یقین ہوتا ہے کہ جو انجیل ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے یہ سب تراجم ہیں پھر تراجم بھی متخالف اور متضاد اس کے باوجود نصاریٰ ہیں کہ اس کی حفاظت کا دعویٰ کئے چلے جاتے ہیں۔ مگر قرآن کے تیس پاروں کا ترجمہ اگر آپ ہمارے سامنے رکھیں تو اس پر قرآن کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا وہ صرف ترجمہ کی حیثیت رکھیگا اسی لئے اصولیین نے معنی کے ساتھ نظم کی رکنیت بھی لازم قرار دی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں جمع قرآن کے سلسلہ میں زید بن ثابت ایک حدیث نقل فرماتے ہیں جس میں انھوں نے خلیفۂ وقت کی توجہ جمع قرآن کی طرف مبذول ہونے کا سبب ذکر فرمایا ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عہد اول میں حفظ قرآن کا مدار حفظ صدر ہی پر تھا۔

ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ	زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ اہل یمامہ کی جنگ
فاذا عمر بن الخطاب عندہٗ قال	کے وقت ابوبکرؓ نے مجھے یاد فرمایا میں پہنچا تو عمرؓ
ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل	بھی وہاں موجود تھے ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ میرے
قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن	پاس آئے اور فرمایا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے
وانی اخشیٰ ان استحر القتل بالقراء	حفاظ شہید ہوگئے ہیں اگر یہی سلسلہ رہا تو مجھے
بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن	اندیشہ ہے کہ کہیں بہت سا حصہ قرآن مجید کا ضائع
وانی اری ان تأمر بجمع	نہ ہوجائے اس لئے آپ امر فرمادیں کہ قرآن
القرآن۔	ایک جگہ جمع کردیا جاوے۔

حضرت عمرؓ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد اول میں قرآن کریم کے حفظ کا مدار حفظ صدر پر تھا کتابت کا اتنا اعتنا نہ تھا اس لئے جب حفاظ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو قرآن کے ضیاع کا خطرہ سامنے آنے لگا۔ رہا یہ سوال کہ جب مدار حفظ صدر پر تھا تو پھر زید بن ثابت قرآن جمع کرنے کے وقت صحف مکتوبہ کے کیوں متلاشی تھے تو اس کا جواب آپ جمع قرآن کے بحث میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ بات ہم پہلے بھی

لکھ چکے ہیں کہ جمع قرآن حفاظت الٰہیہ کے کچھ مزاحم نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کا اس طرح صدور اور صحف میں محفوظ ہوجانا خود حفاظتِ الٰہیہ کی ایک زبردست شہادت ہے عالمِ اسباب میں قدرت کے ہاتھ بالوسائط ہی ظاہر ہوتے ہیں یہ سمجھ لینا کہ جب قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہوچکا تھا تو پھر ذہاب قرآن کا خوف کیوں ہوا ایک حماقت ہے۔

حضرت عمرؓ مبشر بالجنۃ تھے مگر آخر تک عذابِ الٰہی سے جس خوف کا آپ نے مظاہرہ کیا ہے وہ آپ کی سیرۃ پر مطلع حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے عذابِ الٰہی سے امن کا ایک مجسم عہدنامہ تھے مگر جب کبھی بادل آسمان پر ظاہر ہوتے تو چہرۂ انور پر آثارِ تفکر نمودار ہونے لگتے۔ صدیقہ عائشہؓ کے سوال پر فرماتے کہ کہیں قوم عاد جیسی بات نہ ہوجائے جنھوں نے کہا تھا کہ ھذا عارض ممطرنا مگر بجائے بارش کے ان کے بادلوں سے پتھر برسے۔

حقیقت یہ ہے کہ خوف وخشیت ایمان کا ایک مستقل مقام ہے جو اس سے حصہ پائیگا ضرور ہے کہ اس پر اس مقام کے آثار ظاہر ہوں۔ اس کا منشا پروردگارِ عالم کی شانِ بے نیازی اور اپنا ضعفِ بشری ہے۔ بسا اوقات ذہنی یقین کے یہ دونوں اسباب مزاحمت کرکے فطرۃً قلبِ انسان میں ایک تجاذب پیدا کردیتے ہیں۔ کبھی وہ یقین اپنی طرف کھینچتا ہے اور کبھی شانِ بے نیازی اور اپنی بیمقداری اُس یقین کے ذہول کا موجب بن جاتی ہے یہ ذہول نسیان نہیں بلکہ اُس شانِ بے نیازی کے تجلیات کا ثمرہ ہوتا ہے جو جو اپنے علوم کو تھوڑی دیر کے لئے فنا کردیتا ہے۔ یقین ہوتا ہے کہ شیر کے گولی لگ گئی اور اب وہ حملہ آور نہیں ہوسکتا مگر ضعف بشری پھر بھی اس کے قریب جانے سے مانع آتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہاں گاڑی دس منٹ ٹھہرتی ہے اس جگہ اپنے وقت معین سے پیشتر روزانہ نہیں ہوسکتی مگر انجن کی سیٹی تعلیم یافتہ اصحاب کے قلوب میں بھی ایک تلاطم برپا کردیتی ہے اور کبھی ٹائم کے تبدیل اور کبھی گھڑی کے غلطی کے وساوس سامنے آآکر اس پہلے یقین کی توجیہ کرلیا کرتے ہیں۔ بہرحال قدرت حفاظت کریگی یہ اس کا فعل ہے۔

اسباب ضیاع جب ہمارے سامنے آئیں گے تو خوف ضیاع ہوگا یہ ہماری فطرت ہے ان میں باہمی تناقض سمجھنا خود ناسمجھی ہے۔

قرآن مجید کا نقل تواتر قرآن کریم کا محفوظ فی الصدور اور محفوظ باللفظ ہونا تو آپ معلوم کر چکے اب اس کا تیسرا امتیاز اور سنئے۔ یعنی یہ کہ وہ منقول علی التواتر ہے۔ اسی لئے اصولیین نے تواتر کو اس کی تعریف کا ایک جزء قرار دیا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ جب تک کسی آیت کا بطریق تواتر منقول ہونا ثابت نہ کر دیا جائے اس وقت تک اس پر قرآن کا اطلاق ہی نہیں آسکتا۔ اسی طرح جب تک کسی حصہ کے متعلق قرآن شریف سے خارج ہونا بطریق تواتر ثابت نہ کیا جائے اس کو خارج تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ تواتر تحصیل یقین کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے حتی کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تواتر علم بدیہی کا افادہ کرتا ہے جس میں نہ ترتیب مقدمات کی حاجت نہ بحث و تمحیص کی ضرورت نہ خواص و عوام کا فرق اس لئے یہاں رواۃ کی جرح و تعدیل کا قصہ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

تواتر کے اقسام علماء نے گو متفرق مباحث کے ضمن میں تواتر کے اقسام جدا جدا ذکر فرمائے ہیں مگر ہمارے استاد مرحوم حضرت مولانا سید انور شاہ قدس سرہ نے اپنے رسالہ اکفار الملحدین میں ان سب اقسام کو منضبط طور پر ذکر فرمایا ہے جو بلاشبہ اس مسئلہ میں بڑی بصیرت کا موجب ہے۔

امام العصر تحریر فرماتے ہیں کہ تواتر کی چار قسمیں ہیں (۱) تواتر اسناد۔ (۲) تواتر طبقہ۔ (۳) تواتر عمل و توارث۔ (۴) تواتر قدر مشترک۔

تواتر اسناد کا یہ مطلب ہے کہ ایک حدیث کے راوی اول سے آخر تک ہر زمانہ میں اتنے پائے جائیں جن کا عمداً یا اتفاقاً جھوٹ پر متفق ہو جانا عقل باور نہ کر سکے۔ اس نوع کے وجدان و فقدان۔ اشتراط عدد و عدم اشتراط عدد پر علماء کو اختلافات ہیں جو اپنی جگہ موجود ہے۔ ہمارے موضوع سے اس وقت یہ مباحث خارج ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ تواتر کی امثلہ موجود ہیں اور تعداد ناقلین میں کوئی معین عدد شرط نہیں ہے، یہی

حافظ ابن حجر کا مختار ہے۔ ہمارے نزدیک بھی دلائل کے اعتبار سے یہی مذہب قوی ہے۔

تواتر طبقہ | اس قسم میں ایک فرد دوسرے فرد سے ناقل نہیں ہوتا بلکہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے اخذ کرتا ہے احقر کے نزدیک یہ قسم پہلی قسم سے بھی قوی تر ہے کیونکہ اسانید بیان کرنے کی ضرورت اس جگہ پیش آتی ہے جہاں سامنے کوئی منکر ہو مگر جہاں انکار کا وجود ہی نہ ہو ہر کس و ناکس اس خبر کو جانتا ہو وہاں اسناد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لئے افراد کے بجائے ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے نقل کرنے لگتا ہے اور خاص خاص اسمار کی فہرست درمیان سے ندارد ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر باضابطہ اس کی اسناد تلاش کی جائے تو ہاتھ نہیں لگتی بلکہ خود ادوار زمانہ اور طبقات بنی آدم اس کے مجموعہ گواہ ہوتے ہیں۔ یہاں یہ مغالطہ نہ لگے کہ اس بنا پر تو ہر کاذب خبر کے متعلق متواتر ہونے کا دعویٰ کیا جا سکیگا۔ کیونکہ بہر حال طبقہ کی شہادت تو لازم ہے کیا ایک جھوٹی خبر کے متعلق انسانوں کا ایک طبقہ شہادت دے سکتا ہے یہ کس قدر ناسمجھی ہے کہ معدودے چند انسانوں کی خبر کو تو متواتر کہا جا سکتا ہے مگر جہاں تعداد و شمار سے متجاوز ہو کر ہر طبقہ اپنے اپنے زمانہ میں شہادت دیتا چلا آوے اس کے متواتر کہنے میں شبہ ہو۔

تواتر عمل و توارث | یہ تواتر نقل کے متعلق نہیں بلکہ ہر دور میں کسی امر پر مشترک عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً مسواک کی سنیت، عملی طور سے ہر زمانہ میں اس پر اتنی کثرت سے عمل ہوتا چلا آیا ہے کہ اس کی سنیت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہاں تواتر اسنادی متحقق نہیں ہو سکتا۔

تواتر قدر مشترک | اسے کہتے ہیں کہ گو ہر ہر جزئی متواتر طریق پر منقول نہ ہو مگر اُن سب جزئیات کا جو انفرادی طور پر بطریق آحاد منقول ہیں کسی ایک امر کلی پر اتفاق ہو جائے مثلاً حاتم طائی کی سخاوت۔ اگر اس کی سخاوت کا ایک ایک واقعہ دیکھا جائے تو ہرگز تواتر کی حد تک نہیں پہنچتا مگر مجموعۂ واقعات سے یہ بات یقیناً ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ ایک مرد سخی تھا۔

تواتر کی ان اقسام کو متقابل نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ بعض مواقع میں یہ اقسام جمع بھی ہو سکتی ہیں

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ قرآن شریف کا تواتر اسنادی تواتر ہے اور حضرت استاد مرحوم یہ فرماتے تھے کہ قرآن کا تواتر طبقہ کا تواتر ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ اس بات پر علم یقین رکھتے تھے کہ یہ وہی قرآن ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اسی قرآن کی نمازوں میں تلاوت ہوتی رہی اور اسی کی درس و تدریس کا مشغلہ امت میں جاری تھا حتی کہ کفار تک بھی اس پر متفق ہیں گو اس کے وحی الٰہی ہونے میں انھیں انکار سہی مگر اس کا ان کو بھی اقرار ہے کہ درحقیقت یہ قرآن وہی قرآن ہے جو آج سے تیرہ سو سال قبل نازل ہوا تھا۔

قرآن کریم کے ان ہر سہ امتیازی نشانات جان لینے کے بعد اب آپ غالباً وانا لہ لحافظون کی اہم پیشگوئی کا اندازہ لگا سکیں گے کہ قرآن صرف اپنے محفوظ ہونے کا مدعی نہیں ہے بلکہ محفوظ فی الصدور اور محفوظ باللفظ ہونے کا مدعی ہے اور وہ بھی بطریق آحاد نہیں بلکہ علی سبیل التواتر، یہی وہ حفاظت جس کو حفاظت الٰہیہ کا مصداق کہا جا سکتا ہے۔

کاش اگر خصوم نے قرآن کریم کی تعریف ہی کا مطالعہ بغور کر لیا ہوتا تو بہت سے وہ اعتراضات جو آج ان کو پیش آرہے ہیں نہ پیش آتے۔ حیا کل انسانی میں حیوانات کی ایک بھیڑ ہے جو ہمارے سامنے کبھی قرأۃ شاذہ اور کبھی آیات منسوخۃ التلاوت پڑھ پڑھ کر چیخ رہی ہے کہ چونکہ یہ قرأت اور یہ آیات قرآن کریم میں آج موجود نہیں ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ محفوظ نہیں رہا بلکہ محرف ہو چکا ہے۔ پھر کوئی تحریف بالزیادۃ کا تو منکر ہے مگر تحریف بالنقصان کا قائل ہے اور کوئی ہر دونوں کا اقرار کرنے لگتا ہے اور اسی دیوانگی میں جب ان لایعنی دعاوی کا ثبوت نہیں ملتا تو ان میں سے ہی ایک جماعت نفس تحریف میں متردد ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ افسوسناک یہ کہ جہاں سوال تواتر کا درپیش ہو اس جگہ روایات موضوعہ کی آڑ لیکر یہ اعتراض کرنا کہ فلاں آیت قرآن میں نہیں لہٰذا قرآن محرف ہے کس قدر نادانی ہے۔ بانگ دہل کہا جاتا ہے کہ آج تک نہ کوئی آیت ایسی ہے جس کی قرأیت تواتر سے ثابت ہو چکی ہو اور پھر وہ قرآن موجود

میں نہ ملے اور نہ کوئی ایسی آیت ہے جس کا قرآن نہ ہونا بطریق تواتر ثابت ہو پھر وہ قرآن موجود میں درج نظر آئے۔

معترضین کو اتنا بھی ہوش نہیں ہے کہ وہ اس پر بھی غور کرلیں کہ کسی حدیث کا صرف کتب حدیث میں درج ہوجانا اس کے صحیح ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اس کے تواتر کی۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اجمالاً یہ بتلا دیں کہ کتب حدیث کن کن مقاصد کے پیش نظر تصنیف ہوئی ہیں، کن کتابوں سے تمسک کیا جاسکتا ہے اور کونسی کتابیں وہ ہیں جن پر بحث کئے بغیر صحت کا خیال قائم کرلینا غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ قرۃ العینین[1] میں تحریر فرماتے ہیں:۔

چوں نوبت علم حدیث بطبقہ دیلمی و خطیب و ابن عساکر رسید ایں عزیزاں دیدند کہ احادیث صحاح و حسان را متقدمین مضبوط کردہ اند و مساغ سعی دراں باب نماندہ است پس مائل شدند بجمع احادیث ضعیفہ و مقلوبہ کہ سلف آنرا دیدہ و دانستہ گذاشتہ بودند و بجمع طرق غریبہ غایۃ الغرابۃ کہ سلف باوجود کوشش بسیار آنرا نیافتند۔ و غرض ایشاں ازیں جمع آں بود کہ بعد جمع حفاظ محدثین دراں حدیث تامل کنند و موضوعات را از حسان لغیرہا ممتاز نمایند۔ چنانکہ اصحاب مسانید طرق احادیث جمع کردند و غرض ایشاں آں بود کہ حفاظ محدثین

کہ جب علم حدیث کی نوبت دیلمی خطیب اور ابن عساکر کے طبقہ تک پہنچی تو ان حضرات نے دیکھا کہ صحیح اور حسن احادیث تو متقدمین جمع کر چکے ہیں اور اس باب میں اب کچھ لکھنے کی گنجایش باقی نہیں رہی لہٰذا ان کا میلان یہ ہوا کہ احادیث ضعیفہ اور مقلوبہ کو جمع کر دیا جائے جن کو سلف نے دیدہ و دانستہ ترک کر دیا تھا۔ اس جمع کرنے سے ان کا یہ مقصد تھا کہ محدثین ان احادیث میں غور فرما کر حسن لغیرہ اور موضوع احادیث کو ممتاز کر دیں جیسا کہ اصحاب مسانید کا مقصد جمع طرق احادیث سے یہ تھا کہ متواتر اور مشہور صحیح و حسن غریب و ضعیف

---

[1] قرۃ العینین ص ۲۸۱ و ۲۸۳

متواتر و مشہور و مستفیض و صحیح و حسن و غریب ضعیف
و غریب غیر ضعیف از یکدیگر ممتاز سازند و آنچہ
بفقہ و تفسیر و اعتقاد و رقاق تعلق دارد در محل خود
بکار برند و ظن ہر دو فریق را خدائے تعالیٰ محقق
ساخت۔ پس بخاری و مسلم و ترمذی و حاکم تمیز
احادیث کردند و حکم بصحت و حسن نمودند و ابوداؤد
و نسائی و دارقطنی و بیہقی برائے فقہ تصانیف نمودند
کہ احادیثے کہ بفقہ تعلق دارد جدا ساختند و ابو الشیخ
و ابن مردویہ و ابن جریر در تفسیر تصانیف پرداختند
و احادیث مناسبہ بآیات ایراد نمودند و آجری و
بیہقی در عقیدۂ خود آنچہ بعقائد مناسب بود جدا نمودند
و ہمچناں متاخران در احادیث خطیب و طبقۂ او
تصرف نمودند ابن جوزی موضوعات را مجرد
ساخت و سخاوی در مقاصد حسنہ حسان بغیرہا از
ضعاف و مناکیر تمیز نمود و سیوطی در در منثور جمع
احادیث مناسبہ بقرآن نمود قطع نظر از صحت سقم
تا محدثے آنہا را بمیزان علم خود بسنجد و ہر حدیثے را
در محل خودش بگزارد۔ و خطیب و طبقہ او را از خود
ایں عار زائل ساختہ اند زیرا کہ در مقدمات کتب خود

کو ممتاز کریں اور جن احادیث کا تعلق فقہ و تفسیر اعتقاد
و رقاق سے ہے اس پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے
ہر دو فریق کا ظن پورا فرمایا۔ بخاری و مسلم ترمذی
و حاکم نے احادیث میں تمیز کی اور صحت و حسن
کا حکم بھی اپنی جانب سے لگا دیا۔ ابو داؤد و
نسائی و دارقطنی و بیہقی نے فقہی احادیث کو
علیحدہ مرتب فرمایا۔ ابن مردویہ و ابن جریر نے
تفسیری احادیث کی طرف توجہ فرمائی اور
جو احادیث کہ آیات قرآنیہ کے مناسب تھیں
ان کو جمع فرمایا۔ آجری و بیہقی نے عقائد کے
متعلق احادیث کو جمع کیا۔ اسی طرح پر متاخرین
نے خطیب اور ان کے طبقہ کی احادیث میں کچھ
تصرف فرمایا۔ ابن جوزی نے موضوع احادیث کو
علیحدہ کیا سخاوی نے مقاصد حسنہ میں حسن بغیرہ
کو ضعیف اور منکر احادیث سے جدا لکھا۔ سیوطی
نے در منثور میں آیات قرآنیہ کے مناسب احادیث
جمع کیں اس سے قطع نظر کہ وہ صحیح تھیں یا ضعیف
تاکہ بعد میں کوئی بھی حدیث اپنے میزان علم کے مطابق
وزن کر سکے اور ہر حدیث کو اپنے رتبہ کے مطابق

بایں مقاصد تصریح نمودہ اند جزاہم اللہ تعالیٰ عن
امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیرا۔ وصاحب جامع
الاصول نقل کردہ است کہ خطیب از شریف مرتضیٰ
برادر رضی احادیث شیعہ روایت کردہ است
وسیوطی در اول جمع الجوامع ذکر نمودہ است کہ
ایں کتب متفرد اند برائے ضعاف پس اگر کسے از
جمع الجوامع و درمنثور و مانند آں احادیث ضعیفہ
جمع کند و خلاف مذہب اہلسنت وجماعت
ترویج نماید با او ہمیں گفت۔
فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم
و دریں احادیث چیز ہا است کہ بالقطع معلوم
البطلان است۔

رکھدے خطیب اور اس کے طبقہ کے دوسرے
محدثین نے اس مختلط جمع کی جوابدہی خود فرمادی ہے
اور اپنی کتابوں کے مقدمہ میں ان مقاصد کی
تصریح فرمادی ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔
صاحب جامع الاصول نقل فرماتے ہیں کہ خطیب
شریف مرتضیٰ برادر رضی شیعی سے بھی احادیث
روایت کرتا ہے۔ سیوطی نے جمع الجوامع کے اول
میں ذکر کیا ہے کہ یہ کتابیں ضعیف احادیث کے
جمع کرنے کیلئے موضوع ہیں لہذا اگر کوئی شخص
جمع الجوامع درمنثور یا اس قسم کی اور کتب کی احادیث
ضعیفہ سے اہل سنت و الجماعت کے برخلاف
استدلال کرنے لگے تو اس سے کہدینا چاہیئے
فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم
کیونکہ یقیناً ان کتب میں وہ احادیث بھی ہیں جو بالقطع باطل ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس محققانہ بحث سے ثابت ہے کہ محض کسی حدیث کو اہلسنت کی کتابوں میں درج دیکھکر یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ ان کے نزدیک صحیح بھی ہے طبقات کتب حدیث اور ان کی تصانیف کی نوعیت سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ اس کے بعد خصوم کی بے رحمی کی ایک نئی داستان اور سنئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔

آنکہ در اسمار و القاب رجال معتبرین اہلسنت	کہ ایک بڑا فریب یہ ہے کہ یہ جماعت اہلسنت
نظر کنند و ہر کہ را از رجال خود شریک نام و	کے معتبر علماء کے نام و القاب ڈھونڈھ ڈھونڈ
لقب او یابند حدیث او را و روایت او را	کر جب کسی عالم کا نام اپنی جماعت کے عالم
بآں سنی نسبت دہند۔ و بجہت اتحاد نام	کا دیکھ لیتے ہیں اس کی حدیث کو اس سنی
و لقب امتیاز درمیان ہر دو حاصل نشود۔	عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں چونکہ نام دونوں
پس سنیان ناواقف او را ملے از ائمہ	کا ایک ہی ہوتا ہے اس لئے امتیاز تو ہوتا نہیں اور
خود اعتقاد کنند و روایت او را در محل اعتبار	ناواقف اہلسنت یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے
شمارند مثل سدی کبیر و سدی صغیر کبیر از معتبرین	علماء میں سے ہو گا لہٰذا اس کی روایت کا اعتبار
و ثقات اہل سنت است۔ و صغیر از وضاعین	کر لیتے ہیں جیسے سدی کبیر اور سدی صغیر، سدی کبیر
و کذابین است و رافضی غالی است و	معتبرین اور ثقات میں سے ہے اور سدی صغیر
مثل ابن قتیبہ کہ نیز دو کس اند ابراہیم بن	وضاعین و کذابین میں سے ہے اور غالی رافضی
قتیبہ رافضی غالی است و عبد اللہ بن مسلم	ہے یا جیسے ابن قتیبہ یہ بھی دو ہیں ابراہیم بن قتیبہ
بن قتیبہ در اہل سنت معدود مے شود و کتاب	یہ تو غالی رافضی ہے اور عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ
المعارف در اصل از تصانیف ہمیں اخیر است	یہ اہلسنت میں شمار ہیں۔ کتاب المعارف ان
اما آں رافضی نیز کتاب خود را معارف نام کردہ	ہی کی تصنیف ہے۔ ابن قتیبہ رافضی نے بھی
تا اشتباہ حاصل شود۔ [1]	اپنی کتاب کا نام المعارف رکھا ہے تاکہ اشتباہ پیدا ہو جائے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان دو اشخاص کا نام بطور تمثیل تحریر فرمایا ہے ورنہ بہت سے اور اسماء ایسے ہیں جن میں اسی قسم کا اشتراک و اشتباہ پیش آگیا ہے مثلاً محمد بن جریر ایک صاحب تفسیر ہیں جو

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲ کید نوزدہم۔

مشہور و معروف محدث ہیں دوسرا محمد بن جریر بن رستم یہ رافضی ہے۔ لسان المیزان میں حافظ ابن حجرؒ نے اول کی توصیف اور ثانی کی تقبیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسح کا مسئلہ جس ابن جریر کی طرف منسوب ہے غالباً وہ یہی رافضی شخص ہے۔

غرضکہ خصوم کے اعتراضات کی لمبی چوڑی فہرست پر جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اس سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان کے اکثر اعتراضات کا مبنی یا قرآن کی تعریف سے ناواقفیت یا مصطلحات علم سے جہالت ہے اسی لئے اعتراضات باوجود کثرت کے صرف حسب ذیل نمبروں میں درج نظر آتے ہیں۔

(۱) وہ اعتراضات جن کا مبنی رسم قرآن اور مدارج کتابت سے ناواقفیت ہے۔

(۲) وہ اعتراضات جن کی بنا صرف روایات واہیہ یا موضوعہ ہیں۔

(۳) وہ اعتراضات جو آیات منسوخۃ التلاوت اور غیر منسوخۃ التلاوۃ میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۴) وہ اعتراضات جو قرآن متواترہ و شاذہ سے ناواقفی پر مبنی ہیں۔

(۵) وہ اعتراضات جو سلف کی بعض عبارات نہ سمجھنے سے پیدا ہو گئے ہیں۔

تفصیلی اعتراضات و جوابات سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہمیں تو صرف کلی طور پر خصوم کے ان غلط رویہ پر تنبیہ کر کے قرآن کی حفاظت کے امتیازات ثلاثہ کو کسی قدر وضاحت سے لکھنا ہے۔

(باقی آئندہ)